قسط ہشتم :-

واقعاتِ سیرتِ نبویؐ میں توقیتی تضاد اور اُس کا حل

از

جناب مولوی اسحٰق النبی صاحب علوی، رام پور

سنہ ۷ھ

	مکی	جولین	مدنی	
۱- غزوۂ خیبر - بروایت ابن اسحٰق ۲- وادی القریٰ	محرم سنہ ۷ ۲	۶ر اکتوبر سنہ ۶۲۸ء پنجشنبہ	۲ جمادی	غزوۂ خیبر بروایت واقدی ۳- سریہ زید بن حارثہ بجانب حسمیٰ
	صفر	۴ر نومبر جمعہ	رجب	
	ربیع ۱	۴ر دسمبر یکشنبہ	شعبان	
	ربیع ۲	۲ر جنوری ۶۲۹ء دوشنبہ	رمضان	
	جمادی ۱	یکم فروری چہارشنبہ	شوال ۳۰	
	جمادی ۲	۲ مارچ پنجشنبہ	ذیقعدہ ۲۹	عمرۃ القضا
	رجب ۱	۱ر اپریل شنبہ	ذوالحجہ ۳۰	دوشنبہ ۶ر ذیقعدہ

شعبان	یکم مئی دو شنبہ	محرم سنہ ۷	
رمضان	۳۱ مئی چہار شنبہ	صفر	
شوال	۲۹ جون پنجشنبہ	ربیع ۱	
ذیقعدہ	۲۹ جولائی شنبہ	ربیع ۲	
ذوالحجہ	۲۷ اگست یکشنبہ	جمادی ۱	غزوہ موتہ

سنہ ۷ھ

۱- **غزوۂ خیبر:** برہان میں اس کی توقیت پر غور کیا جا رہا ہے۔

۲- **سریۂ زید بن حارثہ** بجانب حسمیٰ: اس واقعے کے متعلق واقدی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ جمادی الاخری سنہ ۶ھ کا واقعہ ہے مگر غالباً اس کا تعلق سنہ ۷ھ سے ہے۔ کتاب میں اس کے وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

۳- **عُمرۃ القضا:** اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ذیقعدہ سنہ ۷ھ کا واقعہ ہے، ابن حبیب نے اس کی تاریخ روانگی دو شنبہ ۶ ذیقعدہ سنہ ۷ھ بیان کی ہے، جس میں صرف ایک روز کا فرق محسوس ہوتا ہے، کیوں کہ موسمی صراحت کے اعتبار سے یہ ایامِ گرما کا واقعہ تھا، مدنی تقویم کے بموجب جمادی الاولیٰ اگست ستمبر سنہ ۶۲۵ء سے مطابق ہوتا ہے۔

غزوۂ خیبر

محرم سنہ ۷ھ = جمادی سنہ ۷ھ

صلح حُدیبیہ کے بعد قریش کا فتنہ تو ایک حد تک دب گیا تھا، لیکن یہودی سازشیں برابر جاری تھیں، مدینے سے جلاوطنی کے بعد بنو نضیر کے یہودیوں کی بڑی تعداد اگرچہ شام چلی گئی تھی، لیکن تمام سربرآوردہ خاندان خیبر ہی میں رہ پڑے تھے[1]۔ جہاں سے ان کی فتنہ پردازیاں ہنوز جاری تھیں، جنگِ خندق کا باعث

[1] طبری ۳/۳۸ - ابن ہشام ۳/۲۰۱، البدایہ ۴/۷۶۔

یہی رؤسائے بنونضیر تھے، جنھوں نے ایک طرح اس پوری مہم کا انصرام کیا تھا[۱] اور اسلام کے خلاف نہ صرف بنو غطفان اور بنو سلیم کو قریش کے دوش بدوش لا کھڑا کیا تھا، بلکہ دوسرے قبائل عرب میں بھی ایک حرکت پیدا کردی تھی، بنو غطفان جو ان کے پرانے اتحادی تھے، ان کے اشارے سے مسلسل مسلمانوں کے خلاف اقدام کرتے رہتے تھے، چنانچہ غزوۂ خیبر سے صرف تین دن پہلے غطفانیوں نے مدینے کی چراگاہ پر حملہ کیا تھا[۲]۔

علاوہ ازیں سیاسی طور پر عرب کی یہ چھوٹی چھوٹی آزاد شہری مملکتیں (CITY STATES) ہر بڑی سلطنت کے قیام کے راستے میں ایک سنگِ گراں کا حکم رکھتی تھیں، جن کو آہستہ آہستہ مٹا دینا ضروری تھا، اگر دیکھا جائے تو اس سے عرب کی قدیم اور روایتی لامرکزیت اور آزادی تو ختم ہوتی تھی لیکن اس کے ساتھ ایک عظیم بین الاقوامی مملکت کا تصور بھی پیدا ہوتا تھا، جو اسلام کی ان تمام مساعی کا انجام تھا، اس کا بدیہی ثبوت یہ ہے، کہ جوں ہی پیغمبرِ اسلامؐ کو قریش سے تھوڑی سی فرصت ملی، اسلام کی توتِ عمل کا رُخ جنوب سے شمال کو ہوگیا، اس کا پہلا ظہور غزوۂ خیبر اور وادی القریٰ کی صورت میں ہم دیکھتے ہیں۔ اور دوسرا موتہ اور تبوک کی مہمات کی شکل میں، جو روم کی عظیم سلطنت کے خلاف ابتدائی اقدامات کہے جا سکتے ہیں، اور جہاں سے زوالِ روم کی داستان کی ابتدا ہوتی ہے۔

بہرحال آخر ۶ھ یا ابتدائے ۷ھ میں عین اس وقت جبکہ یہودیوں کے اتحادی بنو غطفان نے مدینے کی نواح پر حملہ کیا تھا، مسلمان فوجیں خیبر کے لئے تیار کھڑی تھیں۔

غزوۂ خیبر کی تاریخوں میں بھی ویسا ہی اختلاف ہے، جیسا دوسرے غزووں کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں، اور جو قطعی طور پر دو دستاویزی کارفرمائی کا نتیجہ ہے، امام مالکؒ کے نزدیک یہ واقعہ آخر ۶ھ کا ہے، جس کی تائید میں ابن حزم کا قول ملتا ہے[۳] ابن اسحٰق نے اس کو محرم یعنی شروع ۷ھ کا واقعہ قرار دیا ہے[۴]۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ اختلاف کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا، کیوں کہ جس واقعہ کی ابتدا آخر ۶ھ میں ہوئی ہو وہ ۷ھ کے آغاز تک جاری رہ سکتا ہے، چنانچہ طبری نے اس غزوہ کا تذکرہ کیا تو ان الفاظ میں:

"بعد ازاں آنحضرتؐ آخر ۶ھ میں محرم کے بقیہ مہینے میں خیبر پر فوج کشی کے لیے نکلے[۵]"

---

۱ طبری ۳/۷۔ ۲ دیکھئے بخاری باب غزوہ ذی قرد، ۳ [illegible] ۴ ابن ہشام ۳/۳۲۲، ۵ طبری ۳/۹۱۔

جو بظاہر امام مالکؒ، اور ابن اسحٰق کی تصریحات کا آمیزہ معلوم ہوتے ہیں، بہر حال اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ اس غزوے کی ابتداء ۶ سنہ میں ہو گئی تھی۔ جس کی تکمیل ابن اسحٰق کے قول کے بموجب محرم بلکہ صفر ۷ سنہ میں ہوئی، اس خیال کی تصدیق کہ اس مہم کا آغاز ذوالحجہ میں ہو گیا تھا، بخاری کی تصریحات سے بھی ہوتی ہے، جس کو میں ابھی پیش کروں گا، بہر صورت امام مالک، ابن حزم، ابن اسحٰق اور ان کے بعد ان کے جملہ متعلقین کے نزدیک غزوۂ خیبر کا زمانہ آخر ۶ سنہ یا اوائل ۷ سنہ ہے گویا بالفاظ دیگر ذوالحجہ ۶ سنہ یا محرم ۷ سنہ میں یہ مہم شروع ہو گئی تھی، بخلاف اس کے واقدی اور ابن سعد نے یہ صراحت کی ہے، کہ یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۷ سنہ[1] کا ہے، گویا ۷ سنہ کے تقریباً وسط کا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ اس غزوے کے متعلق بھی دو ابتدائی دستاویزیں موجود تھیں جن میں سے ایک، امام مالکؒ اور ابن اسحٰق کا ماخذ تھی، اور دوسری واقدی کا۔

واقدی کے نزدیک غزوۂ خیبر، صلح حدیبیہ سے تقریباً چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے، جو تاریخی طور پر درست معلوم ہوتا ہے، بخلاف اس کے ابن اسحٰق کے نزدیک یہ واقعہ حدیبیہ سے صرف ایک یا ڈیڑھ ماہ بعد کا ہے، جس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ان کو اس غزوے کی تاریخ "محرم ۷ سنہ" پہنچی تھی، حدیبیہ ذیقعدہ ۶ سنہ کا واقعہ ہے، اس بنا پر اصولاً ان کو یہی نتیجہ نکالنا تھا، حالانکہ دو تقویمی نقطۂ نظر سے واقدی اور ابن اسحٰق کی روایتوں (یعنی محرم اور جمادیٰ) میں کوئی فرق یا بُعد نہیں،

جدولِ تقویم پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ۶ سنہ میں مکی ذوالحجہ، اور مدنی جمادی الاول دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے، اور ان دونوں کی ابتداء ۱۹ ستمبر ۶۲۸ء ۶ سنہ کو ہوئی تھی، اس بنا پر ان دونوں ائمۂ سیرت کی دستاویزیں ایک ہی زمانے کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، بلکہ واقدی کے بیان سے ابن اسحٰق کی اتنی تائید نہیں ہوتی، جتنی امام مالکؒ کے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے، کہ یہ واقعہ آخر ۶ سنہ کا ہے۔

اوپر گذر چکا ہے، کہ خود ابن اسحٰق نے غزوۂ ذی قرد[2] کو "جمادی الاولیٰ" کا واقعہ بیان کیا ہے، جس کے متعلق بخاریؒ کی صراحت یہ ہے، کہ:-

"یہ وہ غزوہ ہے جو خیبر سے تین دن پہلے آنحضرتؐ کی اونٹنیوں کو لوٹنے کے سلسلہ میں ہوا تھا"[3]

---

[1] واقدی ۲/۲۔ [2] یہ اشارہ ہے غزوۂ بنو لحیان کی طرف جو اصل کتاب میں صراحت کے ساتھ لکھا گیا۔ [3] بخاری باب غزوۂ ذی قرد۔

یہ گویا ابن اسحاق کی طرف سے واقدی کی ایک طرح تائید ہے، کہ غزوہ خیبر کا تعلق بھی جمادی سے تھا، قطع نظر اس سے خود موسمی اور واقعاتی شہادتیں بھی اس بات کے حق میں ہیں، کہ غزوہ خیبر صلح حدیبیہ (ذی قعدہ مطابق مارچ، اپریل) سے بہت بعد کا واقعہ ہے۔

تقریباً تمام سیرت کی کتابوں میں یہ روایتیں موجود ہیں، کہ فتح خیبر کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ ہزار ہا من خشک کھجوروں کے ذخائر لگے تھے[1]۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ نے حضرت صفیہ سے نکاح فرمایا، تو اس کی دعوتِ ولیمہ میں حاضرین کے سامنے خشک کھجوریں (تمر) گھی اور پنیر پیش کیا گیا، خیبر کی سب سے قیمتی اور لذیذ پیداوار یہی کھجوریں تھیں جن کو گھی اور پنیر کے ساتھ ایک چمڑے کے دسترخوان پر ڈھل دیا گیا تھا، اور لوگ سیر ہو کر کھا رہے تھے[2]۔ اس سے قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ فتح خیبر کے زمانے میں کھجوروں کی فصل تھی، اور یہ میوہ بہ افراط دستیاب ہو سکتا تھا، حجاز میں خشک کھجور کا موسم ستمبر و اکتوبر ہے، جو ۸ھ سنہ میں مکی محرم اور مدنی جمادی کے بالکل مطابق تھا، چونکہ ان کھجوروں کے ساتھ گھی اور پنیر بھی پیش کیا گیا تھا جو صرف خشک کھجوروں کے ساتھ کھایا جاتا ہے، اس بنا پر ان کو تازہ، نرم یا گدر کھجوریں تصور نہیں کیا جا سکتا۔

ابن اسحٰق کی اس بات کو اگر مان لیا جائے، کہ غزوہ خیبر صلح حدیبیہ کے متصل ہوا تھا، تو یہ دعوتِ ولیمہ مئی جون میں ہونا چاہئے، جو تازہ اور گدر کھجوروں کا زمانہ ہوتا ہے، علاوہ ازیں اس غزوے میں دحیہ بن خلیفۃ الکلبی کی موجودگی ثابت ہے جن کو آنحضرتؐ نے اپریل ۶۲۸ سنہ میں قیصر کے پاس سفارت پر بھیجا تھا، جہاں وہ کچھ عرصے قیصر کے انتظار میں رہے اور جب قیصر سے ملاقات ہوگئی تو واپس آئے، اس لئے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ مئی جون کا نہیں ہو سکتا۔

سنہ ۸، ۹

مکی	جولین	مدنی
محرم سنہ ۸	۲۶ ستمبر ۶۲۹ سنہ شنبہ	جمادی ۲
صفر	۲۵ اکتوبر چہار شنبہ	رجب

[1] ابن ہشام ۳/۳۶۴ - طبری ۳/-

[2] MUIR - LIFE 378

ربیع ۱	۲۴ر نومبر جمعہ	شعبان	
ربیع ۲	۲۳ر دسمبر شنبہ	رمضان	
جمادی ۱	۲۲ر جنوری ۶۳۰ء دوشنبہ	شوال	
جمادی ۲	۲۰ر فروری شنبہ	ذیقعدہ	۱- سریہ عمرو بن عاص ذاتِ سلاسل
رجب	۲۳ر مارچ پنجشنبہ	ذوالحجہ	
شعبان	۲۰ر اپریل جمعہ	محرم ۹ھ	
رمضان	۲۰ر مئی یکشنبہ	صفر	۲- فتح مکہ روانگی چہارشنبہ ۱۰ر رمضان (ابن سعد) فتح مکہ جمعہ ۲۰ر رمضان
شوال	۱۸ر جون دوشنبہ	ربیع ۱	۳- غزوۂ حنین شنبہ ۷ر شوال ۴- غزوۂ طائف۔
ذیقعدہ	۱۸ر جولائی چہارشنبہ	ربیع ۲	عمرۃ الجعرانہ۔ تاریخیں غلط
ذوالحجہ	۱۶ر اگست پنجشنبہ	جمادی ۱	

سنہ ۸، ۹

کتاب میں سنہ ۸، ۹ کے مندرجہ ذیل واقعات پیش کیے گئے ہیں۔

۱- **سریۂ عمرو بن عاص، ذاتِ سلاسل**: اس سریہ کے متعلق یہ صراحت ملتی ہے، کہ یہ

جمادی الاخریٰ ۸ھ میں غزوۂ موتہ کے بعد شام کے سرحدی علاقے کی طرف روانہ کیا گیا تھا، جس سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہ غزوۂ موتہ سے صرف ایک ماہ بعد کا واقعہ ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سریہ غزوۂ موتہ سے تقریباً چھ ماہ بعد یعنی جمادی الاخریٰ میں روانہ کیا گیا تھا، کیونکہ اس سریہ کے زمانے میں اس بلا کی سردی تھی کہ ایک بار عمرو بن عاص صبح کو غسل تک نہ کر سکے تھے، یہی جمادی الاخریٰ فروری ۶۳۰ء کو شروع ہوا تھا۔

۲- فتح مکہ: اس پر تفصیلی بحث برہان میں ملاحظہ ہو۔

۳- غزوۂ حنین: ابن سعد نے اس غزوے کی تاریخ روانگی ہفتہ ۶ شوال ۸ھ بیان کی ہے۔ جو مکی تقویم کے بموجب بالکل صحیح بیٹھتی ہے، اس غزوے کا موسم بھی صحیح ثابت ہوتا ہے۔

۴- غزوۂ طائف: یہ واقعہ حنین کے فوراً بعد کا ہے۔

۵- عمرۂ جعرانہ: ابن سعد نے اس واقعے کی جو تاریخ بیان کی ہے وہ نہ مکی تقویم پر پوری اترتی ہے نہ مدنی پر۔ معلوم ہوتا ہے کہ مورخین اسلام کو کہیں سخت دھوکا ہوا ہے، کتاب میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

فتح مکہ

رمضان ۸ھ مکی

فتح خیبر اور انضمام فدک و وادی القریٰ کے بعد اسلامی ریاست کی سیاسی برتری کے آثار واضح ہو چکے تھے، اور اس کے مادی اور روحانی اثرات کا یہ عالم تھا کہ قیصر و کسریٰ کی سرحدیں خطرے میں پڑ چکی تھیں، گرد و پیش کے تقریباً تمام قبائل نے اسلامی فوقیت تسلیم کر لی تھی اور خود بخود اسلامی وفاق میں داخل ہوتے چلے جا رہے تھے، خود قریش کا سمجھ دار طبقہ مائل بہ اسلام تھا، چنانچہ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جیسے شمشیر زن اور مدبر مدینے پہنچ چکے تھے۔

مکے کی "نیم مذہبی حکومت" روز بروز مائل بزوال تھی، اور اہل مکہ خوف، مایوسی، اور تذبذب کی اذیتوں میں مبتلا تھے، جس کو مسلمانوں کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، اور یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے، کہ اگر ۸ھ میں مسلمان فوجیں مکے میں داخل نہ ہو جاتیں، تو جلد یا بدیر اہل مکہ طائف والوں کی طرح خود درخواست انضمام پیش کرتے، جنھوں نے ۹ھ میں بخوشی اپنی قسمتوں کو اسلام کے حوالے کر دیا تھا، بہرحال مورخین فتح مکہ کی

جو وجہ بیان کرتے ہیں، وہ یہ ہے :

معاہدۂ حدیبیہ کی رو سے تمام قبائل عرب کو یہ اختیار دیدیا گیا تھا، کہ وہ حسب پسند "اسلامی وفاق" میں داخل ہو جائیں، یا قریش کے ساتھ رہیں، جس کے نتیجے میں بنو خزیمہ مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے، اور بنو بکر نے قریش کی دوستی کو ترجیح دی تھی، اِن دونوں قبائل میں پُرانی دشمنی چلی آتی تھی، جو اسلامی جنگوں کی وجہ سے کچھ عرصے کے لئے دب گئی تھی، صلح حُدیبیہ کے بعد جب کچھ امن ہوا، تو ۸ھ کے وسط میں یہ دشمنی پھر اُبھری اور جھگڑے شروع ہو گئے، جس میں قریش نے اسلحہ اور جنگی ساز و سامان دے کر بنو بکر کی حمایت کی، اور بہت سے قریشی نوجوانوں نے رضاکارانہ[1] جنگ میں حصہ لیا، خزاعہ چونکہ اسلام کے اتحادی تھے، اور اُن کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے تھی۔ اس لئے حدیبیہ کا معاہدہ خود بخود ٹوٹ گیا، اور مدینے سے اعلان کر دیا گیا، کہ اب اس معاہدے کی کوئی قیمت نہیں، قریش کو یہ معلوم ہوا، تو انھوں نے ابو سفیان کو تجدیدِ معاہدہ کے لئے مدینے بھیجا، مگر یہ مشن کامیاب نہ ہو سکا[2]۔

معاہدۂ حدیبیہ کی شکست غالباً اوائلِ رمضان ۸ھ میں ہوئی تھی، چنانچہ سورۂ براۃ کی ابتدائی آیات میں اس کی صدائے بازگشت موجود ہے :-

"اعلان براۃ ہے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کے لئے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا، سو چار مہینے ملک میں چلو پھرو، اور جان لو، کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں اور اللہ منکروں کو رسوا کرتا ہے[3]"۔

علماءِ اسلام میں اختلاف ہے، کہ یہ چار مہینے کون سے ہیں، لیکن گمان غالب یہ ہے، کہ یہاں رمضان ۸ھ سے لے کر ذوالحجہ ۸ھ تک کا زمانہ مراد ہے، اس لئے کہ اس سال حج، باوجود اسلامی استیلاء کے مشرکین ہی کی زیر نگرانی ہوا تھا۔ اور اس میں وہ تمام مراسم ادا ہوئے تھے، جو پہلے سے چلے آ رہے تھے، مشرکین کا یہ آخری حج تھا۔

---

[1] طبری ۳/۱۱۱ - ابن ہشام ۴/۳۲ - نیز دیکھئے ابن سعد ۲/۹۷ - [2] ابن ہشام ۴/۳۸ - ابن سعد ۲/۹۷ -
[3] ۹ : ۱، ۲ ، میرا گمان ہے کہ یہ آیات فتح مکہ سے پہلے نازل ہو چکی تھیں جن میں معاہدۂ حدیبیہ کی شکست کا اعلان تھا، کیونکہ اس معاہدے کو توڑے بغیر مکے کے خلاف کسی بھی قسم کی فوجی کارروائی ممکن نہ تھی۔

اس کے بعد پھر انہیں اجازت نہ تھی، کہ وہ داخلِ حرم ہو سکیں۔

"اور بے شک مشرک ناپاک ہیں تو یہ لوگ اپنے اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے اندر نہ جائیں"[1]

اس آیت میں الفاظ "اپنے اس سال کے بعد" (بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا) خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مہلت سالِ رواں کے اختتام تک کے لئے تھی، مکے پر فوج کشی رمضان میں ہوئی تھی۔ اور اس رمضان سے چار ماہ بعد سال ختم ہو رہا تھا، اس لئے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں جو چار ماہ کی اجازت مذکور ہے اس سے کون سا زمانہ مراد ہے، نیز یہ کہ مکے پر حملہ بھی "رمضان میں ہوا تھا،

سیرت نگاروں کا بیان ہے، کہ ۱۰ ار رمضان ۸ھ کو جبکہ ہر مسلمان سپاہی روزہ دار تھا، مسلمانوں کی تقریباً دس ہزار فوج مدینے سے نکلی اور عازمِ مکہ ہوئی، ابن اسحاق کا بیان ہے:

"اور آنحضرت ۱۰ ار رمضان کو نکلے، تو آپ کا روزہ تھا، اور آپ کے ساتھ سب ساتھیوں کے روزے تھے، یہاں تک کہ کدید پہنچے، جو عسفان اور آمج کے درمیان ہے"[2]

یہ فوج جب مکے میں داخل ہونے والی تھی، تو مکے کے رئیس ابو سفیان نے جو عملی طور پر اس وقت پورے شہر کے واحد سربراہ تھے، اسلامی تفوق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا[3]۔ اور اس طرح بلا کسی باضابطہ مزاحمت کے مشرکینِ عرب کا یہ سب سے بڑا قلعہ مسخر ہو گیا۔[4]

---

[1] ۹: ۲۹۔ [2] ابن ہشام ۴/۴۳۔ نیز دیکھئے ابن سعد ۲/۹۷، طبری ۳/۱۱۴۔ [3] ابن ہشام ۴/۴۲، ۴۳، ۴۴۔ ابن سعد ۲/۹۸۔ طبری ۳/۱۱۶۔ [4] اہلِ مکہ اگر چاہتے تو مدافعت ممکن تھی، اور مسلمان ایک طویل عرصے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تھے، مکے کے گرد اگرچہ فصیل نہ تھی، لیکن اس کے چو طرفہ چھوٹی بڑی پہاڑیاں کچھ اس طرح واقع ہیں کہ شہر ایک قلعہ بند وادی بن گیا ہے اور یہ پہاڑیاں فصیلِ شہر کا کام دیتی ہیں جن سے مدافعین ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہے۔

تاریخ میں اس شہر کے تین[3] محاصرے، بہت مشہور ہیں، پہلا محاصرہ ظہورِ اسلام سے پہلے ابرہہ نے کیا تھا، جو ناکام رہا۔ دوسرا محاصرہ یزید بن ابی سفیان کے زمانے میں حصین بن نمیر نے کیا تھا، جو لگاتار چھ مہینے جاری رہا اور بالآخر کامیابی نہ ہو سکی۔ تیسرا محاصرہ عبدالملک کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے کیا، یہ بھی چھ مہینے جاری رہا اور شامی سپاہ بدقت کامیاب ہو سکی، یہ تینوں محاصرے اعلیٰ ترین فوج نے بہترین اسلحہ کے ساتھ کئے تھے، جن میں سے کم از کم آخری دو محاصروں میں مشینی اسلحہ یعنی منجنیقوں وغیرہ کا آزادانہ استعمال تاریخ سے ثابت ہوتا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ یہ فتح پیغمبرِ اسلام کی اعلیٰ حکمتِ عملی، معاملہ فہمی، تالیفِ قلوب اور حالات کو اپنی موافقت میں تبدیل کر لینے کی عمدہ ترین صلاحیتوں کا نتیجہ تھی جس نے مکے کو بلا کسی شدید خوں ریزی کے ایک ہی دن میں ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دیا۔

فوجوں کے داخلے سے پہلے اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو شخص حرم میں داخل ہو جائے، یا ابوسفیان کے گھر پناہ لے یا خود اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، اس کو امن ہے[1]

کسی شخص پر یہ پابندی نہ تھی، کہ فوراً تبدیلِ مذہب کرے، صفوان بن اُمیہ کے سامنے جو ابوسفیان کے وزیر کا مرتبہ رکھتے تھے، جب اسلام پیش کیا گیا، تو انھوں نے غور و فکر کے لئے مہلت مانگی، آپؐ نے فرمایا، "چار ماہ[2]" یعنی وہی پورے سالِ رواں کی مہلت جو سب کو دی گئی تھی،

کعبے کے اندر جو اوثان تھے، نکال دیئے گئے[3]۔ باہر جو (۳۶۰) مورتیاں تھیں، توڑ ڈالی گئیں[3]، لیکن باوجود اس کے کعبے کی تولیت اور حج کا انتظام حسبِ اعلان، مشرکین کے ہاتھ میں بجنسہٖ رہا، چنانچہ مؤرخین کہتے ہیں کہ اس سال حج پرانے مراسم ہی کے ساتھ ادا ہوا، طبری میں ہے:

"اور اس سال حج ان مراسم پر ہوا، جن پر عرب کرتے چلے آئے تھے"[4]

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری موسمِ حج تھا، جس میں بنو فقیم کے سردار نے مقامِ حجر پر کھڑے ہو کر اعلانِ "نسی" کیا۔ اور آنے والے محرم کے بعد صفر اور محرم کے درمیان ایک نسی کا مہینہ بڑھا کر پرانی رسموں کو آخری بار ادا کیا تھا،

ابن اسحٰق، واقدی اور دوسرے مصنفین اس غزوہ پر روانگی کی تاریخ ۱۰ رمضان ۸ ھ بیان کرتے ہیں، ابن اسحٰق کا بیان اوپر گذر چکا ہے:

ابن سعد کے بیان کے بموجب اس روز چہار شنبہ تھا، طبقات میں ہے:

"اور رسول اللہؐ چہار شنبہ کے دن دس رمضان کو عصر کے بعد روانہ ہوئے"[5]

وسٹنفیلڈ کی قمری تقویم کے بموجب ۱۰ رمضان ۸ ھ کو بجائے چہار شنبے کے دوشنبہ آتا ہے جو روایات سے مطابقت نہیں کرتا، جس سے نتیجہ نکلتا ہے، کہ یہ رمضان قمری نہیں تھا بلکہ مکی رمضان تھا، چنانچہ مکی رمضان یکشنبہ ۲ مئی ۶۳۰ ء کو شروع ہوا تھا، جس کے حساب سے ۱۰ رمضان کو سہ شنبہ آتا ہے، گویا ایک دن کا فرق جو قابلِ لحاظ نہیں، یہ مدینے سے روانگی کی تاریخ تھی، مگر ابنِ سعد نے تسخیرِ مکہ کی تاریخ بھی بیان کی ہے جو

---

[1] طبری ۳/۱۱۶- بیہقی سنن ۹/۱۱۸- [2] ابن ہشام ۴/۶۰- [3] ابن ہشام ۴/۵۵، ۵۹-
دیار بکری ۲/۸۵، ۸۶، [4] طبری ۳/۱۳۹- [5] ابن سعد ۲/۹۷-

مکی تقویم کے اعتبار سے قطعاً صحیح ثابت ہوتی ہے۔ طبقات میں ہے:

"اور مکہ جمعے کے دن ۲۰ رمضان کو فتح ہوا۔ اور رسول اللہؐ نے وہاں پندرہ دن قیام فرمایا"[1]

ابن اسحٰق نے بھی یہی تاریخ بیان کی ہے، مگر اس میں جمعہ کا دن مذکور نہیں[2] بہرصورت یہ تاریخ قطعاً درست ہے، کیونکہ جب یکم رمضان کو یکشنبہ ہوگا، تو ۲۰ کو جمعہ ہونا یقینی ہے، اس پر اتنا اضافہ اور کیجئے، کہ ابن سعد وغیرہ نے مکے میں قیام کی مدت پندرہ دن بیان کی ہے، جس کے حساب سے آنحضرتؐ کو ۶ شوال، ہفتے کے دن غزوۂ حنین کے لئے نکلنا چاہیئے، چنانچہ مورخین نے حنین کو روانگی کی تاریخ یہی بیان کی ہے[3]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جملہ تاریخیں پوری احتیاط کے ساتھ محفوظ چلی آتی ہیں، اور سب کی سب مکی تقویم کے اعتبار سے ریکارڈ کی گئی ہیں، اب ہمیں اس غزوے کے موسم پر نظر ڈالنا چاہیئے۔

روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان فوجیں جب مدینے سے نکلی تھیں، تو روزہ دار تھیں، اور آنحضرتؐ نے مقامِ کدید یا قدید پر پہنچ کر افطار فرمایا تھا، اس کے کھلے معنی یہ ہیں، کہ مسلمانوں میں دینی طور پر ہنوز مکی تقویم رائج تھی، اور اس کے مطابق فرائض مذہبی انجام پاتے تھے، اس بنا پر میرے نزدیک میور (MUIR) اور دوسرے مستشرقین کا یہ خیال درست نہیں کہ عہدِ رسالت میں رمضان کا مہینہ ہمیشہ موسم سرما ہی میں آتا تھا[4] جس کی تائید

---

[1] ابن سعد ۲/ ۹۹، نیز دیکھئے دیار بکری ۲/ ۸۷۔ [2] ابن ہشام ۴/ ۸۰۔ [3] ابن سعد ۲/ ۱۲۱۔

[4] میور کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:- IT WAS WINTER WHEN THE FAST WAS ORDAINED AND MOHAMMED PROBABLY THEN CONTEMPLATED ITS BEMG ABUAYS KEPT IN THE SAME SEASON IN WHICH CASE THE PROHITION TO EAT OR DRINK DURING THE DAY WOULD NOT EVEN FOR A MONTH, HAVE INVOLVED ANY EXTREME HARDSHIP. IN COURSE OF TIME, HOWEVER, BY THE INTRODUCTION OF THE LUNAR YEAR, RAMADAN GRADUALLY SHIFTED TILL IT REACHED THE SUMMER SEASON; AND THEN THE PRO HIBTION TO TASTE WATER FROM MORNING TELL EVENENG BECAM A BURDIN HEAVY TO BEAR" MUIR LIFE 1929 193.

میور کی اس رائے کو پڑھئے اور ملاحظہ فرمائیے کہ مکی تقویم کی گمشدگی کے باعث کس درجہ غلط تاریخی نتائج نکالے جاسکتے ہیں۔

میں ان کے پاس کوئی دستاویزی شہادت نہیں، بخلاف اس کے کتبِ سیرت واحادیث میں متعدد روایتیں ایسی موجود ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماہِ صیام ہمیشہ موسمِ گرما میں آتا، مستدرک حاکم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ،

"رسول اللہؐ نمازِ مغرب سے پہلے" رطب " (یعنی نورس کھجوروں) سے افطار فرماتے تھے، اگر "رطب" نہ ملتیں تو پھر "تمر" (یعنی خشک کھجوروں) سے، اور اگر یہ بھی میسر نہ ہوتیں تو صرف پانی کے گھونٹوں سے" [1]

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں "رمضان" ایسے ایام میں آتا جس میں تازہ کھجوریں (رطب) چل جاتی تھیں، لیکن اگر یہ نہ چلتیں، پھر خشک کھجوروں یا پانی پر اکتفا فرماتے۔

اوپر گذر چکا ہے کہ حجاز میں رطب کا زمانہ جون، جولائی ہے، اس بنا پر یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ رمضان کے مہینے اکثر وبیشتر انہیں ایام میں آتے، اور اگرچہ کبھی کبھی فصل پکنے میں دیر ہوتی تو اس وقت "تمر" سے افطار فرماتے۔

ماہِ رمضان کا ایامِ گرما سے تعلق ازروئے روایات بدیہی ہے، چنانچہ ایک اور روایت ملاحظہ ہو، ابو درداءؓ فرماتے ہیں:

"ہم گرمی کے موسم میں نبی علیہ السلام کے ساتھ کسی سفر میں تھے، گرمی کی شدت تھی (کہ تمازتِ آفتاب سے بچنے کے لئے) آدمی اپنے سر پہ ہاتھ رکھ لیتا، اس وجہ سے ہم لوگوں میں بجز نبی علیہ السلام اور ابن رواحہ کے اور کوئی روزے دار نہ تھا" [2]

معلوم نہیں کہ یہ کس سفر کا قصہ ہے بہرحال خاص فتحِ مکہ کا موسم مندرجہ ذیل روایات سے پوری طرح سامنے آجاتا ہے، جابرؓ سے ایک روایت یوں ہے:

"رسول اللہؐ رمضان کے مہینے میں ایک سفر فرما رہے تھے کہ آپؐ کے ساتھیوں میں ایک شخص پر روزہ گراں گذرنے لگا، تو گرمی کی وجہ سے اس کی سواری ایک درخت کے نیچے روک دی اور آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع کی، آپؐ نے اس کو افطار کا حکم دیا، اور ایک برتن منگایا جس کو لے کر

[1] مستدرک حاکم ۱/۴۳۲ [2] بخاری کتاب الصوم۔

خود آپؐ نے پانی پیا، اور لوگ دیکھ رہے تھے"۔[1]

یہ واقعہ مقامِ "کدید" کا معلوم ہوتا ہے جس کے متعلق ابن عباسؓ کی روایت اس طرح ہے: فرماتے ہیں کہ

"رسول اللہؐ فتحِ مکہ کے سال رمضان کے مہینے میں نکلے تو آپؐ کا روزہ تھا، جب کدید پہنچے تو لوگ آپؐ کے گرد جمع ہو گئے، آپؐ نے ایک برتن لیا اور اس سے پانی پیا"۔[2]

تاکہ دوسرے لوگ بھی افطار کر لیں۔

موطاء میں اسی واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

بعض صحابہ سے روایت ہے کہ جس سال مکہ فتح ہوا، تو آپؐ نے اس سفر کے لئے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ نہ رکھیں، اور فرمایا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں قوی رہو، مگر آنحضرتؐ نے خود روزہ رکھا۔

ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ جس شخص نے مجھ سے یہ روایت بیان کی اُس نے بتایا کہ میں نے رسول اللہؐ کو "عرج" میں دیکھا کہ وہ پیاس یا گرمی کی وجہ سے اپنے سر پر پانی بہا رہے تھے، اس کے بعد رسول اللہؐ سے کہا گیا، کہ آپؐ کے روزے کی وجہ سے بہت سے آدمیوں نے روزے رکھ لئے ہیں، تو جب آپؐ "کدید" پہنچے تو آپؐ نے ایک برتن منگایا اور پانی پیا، اس پر اور لوگوں نے بھی روزے کھول لئے۔[3]

معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری روایت ابو بکر بن عبد الرحمٰنؓ نے مشہور صحابی ابو ہریرہؓ سے لی تھی جو اس سفر میں بذاتِ پیغمبر اسلامؐ کے ہمرکاب تھے، کیونکہ مستدرک میں اس روایت کا مندرجہ ذیل ٹکڑا انہیں کی سند سے بیان کیا گیا ہے:۔

"میں نے رسول اللہؐ کو عرج میں دیکھا کہ آپ گرمی کی وجہ سے اپنے سر پر پانی بہا رہے تھے، کیونکہ آپؐ روزے دار تھے"۔[4]

اِن تمام روایات سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ نہ صرف عہدِ رسالت میں ماہِ رمضان ہمیشہ موسمِ گرما میں

---

[1] مستدرک ۱/۴۳۳۔ نیز دیکھئے مسند ۵/۳۶۰۔ [2] ابن سعد ۲/۱۰۰
[3] موطا۔ ما جاء فی الصیام فی السفر۔ [4] مستدرک ۱/۴۳۲۔

آتا بلکہ فتحِ مکہ کا تعلق بھی شدید گرمائی زمانے سے تھا۔

اِن موسمی شہادتوں کو سامنے رکھ کر جب ہم وسٹنفیلڈ کی تقویم پر نظر ڈالتے ہیں تو فصلی اعتبار سے بعد المشرقین نظر آتا ہے، کیونکہ ان کی تقویم کے بموجب رمضان سنہ دسمبر اور جنوری کا متوازی مہینہ تھا، یہاں یہ اور عرض کردوں کہ نہ صرف وسٹنفیلڈ بلکہ میور کا زاویۂ نظر بھی یہی ہے، حتیٰ کہ مولانا شبلیؒ نے جب اسی غزوے کا تذکرہ کیا تو ان کو بھی جلی عنوان سے "فتحِ مکہ رمضان سنہ مطابق جنوری سنہ ۶۳۰ء" لکھنا پڑا۔

ظاہر ہے کہ ان تمام غلطیوں کی بنیادی وجہ صرف ایک تھی اور وہ یہ کہ مؤرخینِ اسلام عرصۂ دراز سے مکی تقویم فراموش کر چکے تھے۔

اس جدید نظریۂ تقویم کے بموجب رمضان سنہ مئی جون سنہ ۶۳۰ء سے مطابق ہوتا ہے۔

سنہ ۹، ۱۰

مکی	جولین	مدنی	
محرم	۱۵ر ستمبر سنہ ۶۳۰ء شنبہ	جمادی ۲	
محرم نسی صفر	۱۴ر اکتوبر یکشنبہ	رجب	
صفر	۱۳ر نومبر شنبہ	شعبان	
ربیع ۱	۱۲ر دسمبر چہار شنبہ	رمضان	
ربیع ۲	۱۱ر جنوری سنہ ۶۳۱ء	شوال	سریہ علقمہ بن مجزز
جمادی ۱	۹ر فروری شنبہ	ذیقعدہ	

	جمادی ۲	۱۱ر مارچ دوشنبہ	ذوالحجہ	حج ابوبکرؓ، اعلان برأت فرض حج، تنسیخ تقویم۔
غزوۂ تبوک تاریخ روانگی دوشنبہ ۱ر رجب بروایت ابن حبیب	رجب	۹ر اپریل سہ شنبہ	محرم ۱۰ھ	
	شعبان	۹ر مئی پنجشنبہ	صفر	
واپسی از تبوک	رمضان	۷ر جون جمعہ	ربیع ۱	
واپسی از تبوک بروایت ابن حبیب	شوال	۷ر جولائی یکشنبہ	ربیع ۲	
	ذیقعدہ	۵ر اگست دوشنبہ	جمادی ۱	
	ذوالحجہ	۴ر ستمبر چہارشنبہ	جمادی ۲	

سنہ ۹، ۱۰

۹ھ کے صرف تین واقعات پر قلم اٹھایا گیا ہے جو ذیل میں دیئے جاتے ہیں:۔

۱۔ **سریہ علقمہ بن مجزز:** اس سریہ کے متعلق یہ صراحت ملتی ہے کہ یہ ربیع الآخر ۹ھ کا واقعہ تھا۔ روایتی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ اس سریہ کے دوران میں سپاہی تاپنے کے لئے الاؤ لگا لیتے، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ واقعہ موسم سرما کا تھا، یہ تاریخ مکّی معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ ربیع الآخر ۹ھ (مدنی) جولائی ۶۳۰ء سے مطابق ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں مکّی ربیع الآخر ۱۱ر جنوری ۶۳۱ء کو شروع ہوا تھا۔

۲۔ **حج ابوبکرؓ:** اس واقعے کی تاریخ ذیقعدہ ۹ھ بیان کی جاتی ہے جس سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہ غزوۂ تبوک کے بعد کا واقعہ ہے، لیکن دو تقویمی نقطۂ نظر سے یہ حج غزوۂ تبوک سے صرف ایک ماہ پہلے ہوا تھا۔ چنانچہ سورۂ براۃ میں اس واقعے کا تذکرہ یعنی اعلانِ براۃ، غزوۂ تبوک کے ذکر سے پہلے ہے، علاوہ ازیں عکرمہ

نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جب اس حج سے واپس آگئے تو پیغمبرِ اسلام غزوۂ تبوک کے لئے نکلے تھے۔

۳۔ غزوۂ تبوک: اس پر تفصیلی بحث برہان میں ملاحظہ ہو۔

غزوۂ تبوک

رجب مئی ۹ سنہ

غزوۂ موتہ میں رومیوں اور غسانیوں کی مشترکہ فوجوں نے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچایا تھا، وہ اگرچہ کم نہ تھا، لیکن "رومی عقاب" کی دُوربین نظریں صحرائے عرب کے انقلابی تموج کو بغور دیکھ رہی تھیں، اور غیر مطمئن تھیں، چنانچہ مدینے میں برابر اس قسم کی خبریں آرہی تھیں، کہ شمالی پڑوسی کسی بڑے حملے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ خود قیصر کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ وہ اس وقت حمص یا دمشق میں موجود تھا۔

حنین[1] کے مالِ غنیمت کا صحیح مصرف یہ تھا کہ اس کو مؤثر طور پر شمالی دشمن کے خلاف صرف کر دیا جائے۔ جس کے لئے ایک بڑی فوج درکار تھی، اس لئے غالباً مدینے آتے ہی، آنحضرتؐ کا سب سے پہلا کام یہ تھا، کہ عام چندے کے اعلان کے ساتھ دوست اور نو معاہد قبائل سے رضا کاروں کی بھرتی شروع کر دی جائے۔

ابن اسحٰق اور واقدی کا بیان ہے، کہ اس چندے میں حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اشرفیاں مع اس تجارتی مال کے جو شام جارہا تھا۔ نذر کی تھیں، حضرت عمرؓ نے اپنے پورے سرمایہ کا نصف اور حضرت ابوبکرؓ نے جو کچھ حاضر تھا[2]، سب کا سب پیش کر دیا تھا۔ اس سے ہم دوسرے لوگوں کے عطیات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

قبائلِ عرب نے بھی آپؐ کے ساتھ پورا تعاون کیا، اور اس کثرت سے شرکت کی درخواستیں آئیں کہ باربرداری کا تو ذکر کیا، خود سپاہیوں کو سواریاں دینا ممکن نہ تھا۔[3] حتیٰ کہ شرکاء کے نام تک درجِ فہرست نہ ہو سکے۔[4]

مؤرخین کہتے ہیں، کہ اس لشکر کی مجموعی تعداد تیس ہزار تھی[5]، جن میں دس ہزار گھوڑ سوار فوج کے دستے تھے۔[6]

---

[1] غزوۂ حنین، اس غزوے سے صرف آٹھ ماہ پہلے کا واقعہ ہے۔ [2] ابن سعد ۲/۱۱۹۔ [3] قرآن: [4] بخاری میں کعب بن مالک سے روایت ہے جو اس غزوے میں شریک نہ ہو سکے تھے کہ ..... "والمسلمون مع رسول اللہؐ کثیر" ولا یجمعھم کتابُ حافظ"۔ [5] یہ تخمینہ تھوڑا مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے۔
[6] ابن سعد ۲/۱۱۹۔

یہ تعداد اتنی بڑی تھی، کہ غالباً سرزمینِ عرب نے اتنی عظیم فوج پہلے نہ دیکھی تھی، غور کیجیے کہ میدانِ بدر میں مسلمانوں کی تعداد لگ بھگ تین سو (۳۰۰) تھی، لیکن اس سے صرف چھ ساڑھے چھ سال بعد سَو گنی ہو گئی، یعنی تیس ہزار (۳۰۰۰۰)۔

ماسوا اس کے ۹ سنہ میں حکومتِ مدینہ نے سرحدی قبائل کے دل جیت لینے کے لئے عمرو بن عاص کی سرکردگی میں جو مہم روانہ کی تھی، وہ بہمہ وجوہ کامیاب تھی، اور معلوم ہوتا ہے، کہ ایک پانچواں کالم ان قبائل میں بھی مرتب ہو چکا تھا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ جب تبوک پہنچے، تو رومی فوج کا نام و نشان نہ تھا، اس بنا پر آنحضرتؐ تبوک ہی میں رُک گئے، اور یہیں سے مختلف مقامات پر چھوٹے بڑے دستے روانہ فرمائے، جو سب کامیاب ہوئے، بحرِ قُلزم کی سب سے اہم بندرگاہ اس زمانے میں ایلہ (عقبہ) تھی۔ اس بندرگاہ کے حاکم نے معاہدے کے ذریعہ اسلامی دولتِ مشترکہ (COMMEN WELTH) سے وابستگی حاصل کر لی[1]۔

خالد بن ولید نے دُومۃ الجندل جا کر اکیدر کو جو وہاں کا فرمانروا تھا۔ گرفتار کیا اور پیغمبرِ اسلامؐ کے حضور میں پیش کر دیا[2]۔ اس طرح پورے شمالی عرب نے پہلی بار اسلامی تفوق کی جھلک اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

اِس غزوے کی تاریخِ روانگی متفقہ طور پر رجب ۹ سنہ اور واپسی رمضان یا شوال ۹ سنہ بیان کی جاتی ہے۔ اور اگرچہ ابن اسحاق اور واقدی کے یہاں کچھ زیادہ تاریخی صراحت نہیں، لیکن ابن حبیب کے ماخذ نے اس کو بقیدِ یوم و تاریخ بیان کیا ہے:-

"اور آنحضرتؐ اس کے لئے دو شنبے کے دن یکم رجب کو نکلے اور آخر شوال میں واپس ہوئے"[3]

وسٹنفیلڈ کی تقویم کے بموجب یہ رجب اکتوبر و نومبر کا متوازی مہینہ تھا، یعنی موسمِ سرما کے آغاز کا زمانہ جس کے حساب سے واپسی جنوری میں ہونا چاہیے[4]۔

سر ولیم میور (MUIR) اور مولانا شبلیؒ کا بھی یہی خیال ہے، چنانچہ میور نے اکتوبر[4] اور مولانا شبلیؒ نے "رجب ۹ سنہ مطابق نومبر"[5] اس غزوے کی تاریخِ روانگی قرار دی ہے، اس کے مقابلے میں سیرت کی جملہ روایتیں اس بات کے حق میں ہیں، کہ اس غزوے کا موسم گرم تھا، کعب بن مالکؓ کہتے ہیں:-

"اور رسول اللہؐ نے یہ لشکر کشی سخت گرمی کے زمانے میں کی تھی"[6]

---

[1] MUIR LIFE P 441, 442 - [2] ابن سعد ۲/۱۲۰ - [3] ابن حبیب/۱۱۵-
[4] MUIR . LIFE P 439 - [5] سیرۃ النبی ۱/۵۶۳ [6] ابن ہشام ۴/۱۲۶-

اور آگے چل کر مزید نشان دہی اس طرح کرتے ہیں :-

"یہ غزوہ اس وقت ہوا، جب پھل اچھے ہو جاتے ہیں" [۱]

ابن اسحٰق نے زہری وغیرہ کی سند سے اس کے موسمی نقشے کی تصویر اس طرح کھینچی ہے :-

"اور یہ لوگوں کی تنگدستی اور خشک سالی کا زمانہ تھا، اور شدید گرمی پڑ رہی تھی جبکہ پھل خوش آیند ہو جاتے ہیں، اور لوگ اپنے باغوں اور سایہ کو پسند کرتے ہیں" [۲]

قطعِ نظر ان روایات کے خود قرآن مجید نے منافقین کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ :-

"گرمی میں نہ نکلو" [۳]

جس کا جواب یہ دیا گیا کہ :-

"جہنم کی آگ سب سے زیادہ گرم ہے" [۴]

ان تمام موسمی شہادتوں سے نتیجہ نکلتا ہے، کہ یہ مہم نومبر، دسمبر اور جنوری کے مہینوں کی ہرگز نہ تھی، بلکہ ایسے موسم کی تھی، جس میں پھل اچھے ہو جاتے ہیں، گرمی میں تیزی اور شدت آجاتی ہے۔ لوئیں چلنے لگتی ہیں۔ اور درختوں کے سایہ باعثِ تسکین ہو جاتے ہیں، غزوۂ تبوک کے "رجب" کو مذکورہ موسم سے مطابق ہونا چاہئے۔ میری جدولوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سال مکی رجب ۸ راپریل، مئی سنہ کے متوازی تھا۔۔ جو روایتی موسم سے عین مطابق ہے۔

ابن حبیب نے اس غزوے کی تاریخِ روانگی دوشنبہ یکم رجب بیان کی ہے، جو تقویمی حساب سے بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے، کیونکہ از روئے حساب یکم رجب پنجشنبہ کو شروع ہو رہا ہے، اور دوشنبے کی چاند رات تھی۔ مگر مجھے یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے۔ کہ یہ ایک تاریخ تیس ہزار فوج کی بیک وقت روانگی کی نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے ابتدائی دستوں کی ہوگی، اس خیال کی تصدیق ابن سعد اور مواہب کی اس روایت سے ہوتی ہے، جس میں بتایا گیا ہے، کہ یوم خروج پنجشنبہ کا دن تھا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف دستے آگے پیچھے روانہ ہوتے رہتے تھے، آخر میں یہ بھی واضح کرنا ہے، کہ حج ابوبکرؓ میں جو میرے خیال کے مطابق اس سے

---

[۱] ابن ہشام ۱۷۶/۴ - [۲] ابن ہشام ۱۵۹/۴ - [۳] لا تنفروا فی الحر - [۴] نار جہنم اشد حراً -

ٹھیک پہلے مہینے میں ہوا تھا، حاجیانِ مدینہ کی تعداد کا اتنا کم ہونا نیز اس میں بجز ابوبکرؓ اور علیؓ کے کسی اور بڑی شخصیت کا نظر نہ آنا، شاید اس وجہ سے تھا، کہ آنحضرتؐ مع اپنے رفقاء کے اسی غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

مکی	عیسوی تاریخ و یوم	مدنی	واقعات
محرم سنہ ۱۰ھ	۳ر اکتوبر سنہ ۶۳۱ء پنجشنبہ	رجب	
صفر	۲ر نومبر شنبہ	شعبان	
ربیع ۱	یکم دسمبر یکشنبہ	رمضان	۱- سریہ علی بن ابی طالب (یمن)
ربیع ۲	۳۱ر دسمبر سہ شنبہ	شوال	۲- سریہ خالد بن ولید یمن۔ ۳- وفات ابراہیم بن رسول اللہ ۴- سورج گرہن ۲۷ر جنوری سنہ ۶۳۲ء
جمادی ۱	۲۹ر جنوری سنہ ۶۳۲ء چہارشنبہ	ذیقعدہ	۵- حجۃ الوداع کے لئے روانگی شنبہ ۲۵ر ذی قعدہ
جمادی ۲	۲۸ر فروری جمعہ	ذوالحجہ	۶- حجۃ الوداع۔
رجب	۲۹ر مارچ یکشنبہ	محرم سنہ ۱۱ھ	
شعبان	۲۸ر اپریل سہ شنبہ	صفر	۷- دوشنبہ ۲۸ر صفر جہاد روم کی تیاری کا حکم۔
رمضان	۲۷ر مئی چہارشنبہ	ربیع ۱	۸- آخری خطبہ ہفتہ ۱۰ر ربیع الاول سنہ ۹- رحلت ۱۲ر ربیع الاول دوشنبہ۔
شوال	۲۶ر جون جمعہ	ربیع ۲	
ذیقعدہ	۲۵ر جولائی شنبہ	جمادی ۱	
ذوالحجہ	۲۴ر اگست دوشنبہ	جمادی ۲	

سنہ ۱۰، ۱۱

یہ سال سیرتِ رسول اللہؐ کا اختتامی باب ہے، اس میں مندرجہ ذیل واقعات پیش کئے گئے ہیں۔

۱-۲- سریۂ علی بن ابی طالب : سریۂ خالد بن ولید: کتبِ سیرت میں ان دونوں واقعات کی تاریخیں علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہیں جن میں بعد المشرقین ہے، حضرت علیؓ کے متعلق مذکور ہے کہ ان کو رمضان سنہ ۱۰ میں یمن بھیجا گیا تھا، اور خالد بن ولید کے متعلق ربیع الآخر کی صراحت ملتی ہے، مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ خالدؓ کو جو ہدایات دی گئی تھیں، ان میں اس بات کو صاف کر دیا گیا تھا کہ اگر اس کی ملاقات حضرت علیؓ سے ہو جائے تو وہ پوری فوج کی امارت انہیں سونپ دیں، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں واقعے تقریباً ہم زمانہ تھے، چنانچہ مکی تقویم کے بموجب ربیع الآخر سنہ ۱۰ کا آغاز مدنی رمضان کے اختتام پر ہو رہا ہے۔ اور محسوس ہوتا ہے، کہ سریۂ خالد بن ولید کا ریکارڈ مکی تقویم کے بموجب ہوا تھا، اور جنابِ امیر کے سریہ کا مدنی کلینڈر کے مطابق۔

۳- وفاتِ ابراہیم اور سورج گرہن : اس کی تاریخوں پر کتاب میں پوری بحث ہے۔

۴- حجۃ الوداع : دیکھئے برہان صفحہ ہذا۔

۵- جیشِ اسامہؓ اور رحلتِ رسول اللہؐ :- دیکھئے برہان صفحہ ۳۶۴

حجۃ الوداع

ذوالحجہ سنہ ۱۰ مدنی

فتحِ مکہ کے بعد حج کا انصرام مشرکینِ مکہ ہی کے ہاتھ میں برقرار رکھا گیا تھا، دوسرے سال ذیقعدہ قمری میں غزوۂ تبوک کے انتظامات درپیش تھے، جو حج سے زیادہ ضروری مسئلہ تھا، اس لئے پیغمبرِ اسلامؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیرِ حج بنا کر بھیج دیا، اور خود حج نہیں فرمایا، اس بنا پر ابھی ارکانِ حج کی تعلیم باقی تھی، قبائلِ عرب کو اسلام کی روح سمجھانا تھی، حکومتِ الٰہیہ کا اعلان ضروری تھا، تمام قدیم مفاخر نیست و نابود کرنا تھے۔ عورتوں، غلاموں اور بے مایہ مقروضوں کے ساتھ رحم و انصاف کی تعلیم اور اُن کی دادرسی کا اعلان کرنا تھا۔

بنا بریں قمری ذیقعدہ سنہ ۱۰ میں آپؐ نے خود حج کا ارادہ فرمایا، جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، اس کی تفصیلات تمام سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں، اس لئے میں یہاں صرف واقعہ کا وہ ضروری حصہ جس کا تعلق تقویم

سے پیش کروں گا۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ ۲۵ر ذیقعدہ کو ہفتے کے دن مدینے سے روانہ ہوئے تھے[۱]، وسٹنفیلڈ نے ذیقعدہ ۱۰ھ کی پہلی تاریخ کو چہارشنبہ قرار دیا ہے، جس کی رو سے ۲۵ر کو ٹھیک ہفتہ ہی آتا ہے جو روایت کے عین مطابق ہے۔

جب یہ قافلہ مرّ الظہران پہنچا تو دوشنبہ تھا۔

"اور دوشنبے کے دن مرّ الظہران میں تھے کہ سورج سرف میں غروب ہوا"[۲]

ابن عباسؓ اور جابرؓ کی روایت کے مطابق یہ ذوالحجہ کی ۴ر تاریخ تھی، جابر فرماتے ہیں:

"آنحضرتؐ ۴ر ذوالحجہ کو تشریف لائے"[۳]

عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے:

"اور آنحضرتؐ نے حج کی تہلیل فرمائی، تو آپؐ ۴ر ذوالحجہ کو تشریف لائے"[۴]

گویا دوشنبہ ۴ر ذوالحجہ کے مطابق تھا، وسٹنفیلڈ کی تقویم کے مطابق اگرچہ یہ دونوں بیانات صحیح ہیں، کیونکہ ازروئے حساب ذوالحجہ ۱۰ھ کی پہلی تاریخ کو جمعہ تھا، اس لئے دوشنبے کو ذوالحجہ کی ۴ر تاریخ ہی ہونا چاہئے، لیکن روایات سے ثابت ہوتا ہے، کہ اس سال حج جمعہ کو ہوا تھا، یعنی جمعہ کے دن ۹ تاریخ تھی، جس کی رو سے دوشنبہ کو بجائے ۴ر کے پانچ تاریخ ہونا چاہئے، اس کے یہ معنی ہیں کہ مکہ معظمہ میں ذوالحجہ کا چاند ۲۹ر کو تسلیم کرکے بجائے جمعہ کے پنجشنبے کی پہلی تاریخ قرار دی گئی تھی، اور حج اسی حساب سے ادا کیا گیا تھا[۵]، یہ ایک دن کا فرق ایسا نہیں جو قمری مہینوں میں نیا یا کوئی خاص اہمیت رکھتا ہو،

---

[۱] ابن سعد ۲/۱۲۴ - [۲] ایضاً - [۳] ابن سعد ۲/۱۲۶ - [۴] ایضاً -

[۵] مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے جن کو علم نجوم میں کافی دست رس تھی، اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ نجومی حساب کی رو سے ۹ کو جمعہ نہیں پڑتا، مگر ان کا خیال یہ ہے کہ اس سال اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے ممکن ہے کہ بے قاعدہ رویت ہوئی ہو، تاکہ پیغمبر اسلامؐ کا یہ حج جمعہ کے مقدس دن میں ہو سکے، میری رائے میں یہاں یہ بحث کسی طرح مناسب نہیں کیوں کہ قمری مہینوں میں رویت قمر کا انحصار محض تسلیم اور عدم تسلیم پر ہے۔

حجۃ الوداع کی تاریخی عظمت اور اہمیت کی آئینہ دار اگر کوئی شے ہے، تو وہ آنحضرتؐ کا خطبۂ حج ہے جس کا ایک ایک لفظ عالمِ انسانیت کو نئی روشنی اور نیا درسِ حیات دیتا ہے، اس کے جستہ جستہ ٹکڑے کتبِ سیرت واحادیث میں موجود ہیں، جن میں سے مجھے صرف ایک حصّے کا یہاں تذکرہ کرنا ہے، جس کا تعلق تنسیخِ تقویم سے تھا۔

مکی تقویم جو اجرام پرستی کا سرچشمہ بن گئی تھی، اگرچہ ۹ھ میں بذریعہ قرآن منسوخ ہو چکی تھی، لیکن آپؐ نے اپنے اس خطبے میں بھی اس کا ذکر فرمایا۔ اور "ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللّٰہ السمٰوٰت والارض" فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

"سال کے بارہ مہینے ہیں، جن میں چار مہینے قابلِ احترام ہیں، تین متواتر مہینے، ذیقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر، جو جمادی اور شعبان کے درمیان میں ہے۔" [۱]

اس ابتدائی جملے یعنی "ان الزمان قد استدار" کا مفہوم بالعموم یہ سمجھا جاتا ہے، کہ اس سال قمری وشمسی دونوں تقویمیں ایک ہی نقطہ پر جمع ہو گئی تھیں، اور ذوالحجہ کا مہینہ دونوں حسابوں سے ایک ہی زمانے میں آپڑا تھا، لیکن جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے، یہ خیال غلط ہے۔

نقشۂ تقویم کو سامنے رکھ کر قمری محرم کو ملاحظہ فرمائیے، جو اس سال ۲۹ مارچ یعنی اعتدالِ ربیعی کے عین متصل شروع ہو رہا ہے، یہ بات مسلّمہ ہے کہ قدیم اہلِ بابل، اہلِ ایران، اور شاید جنوبی عرب کے باشندے اور تمام باشندگانِ ہند اعتدالِ ربیعی سے سال کا آغاز کرتے تھے، جس کا رواج ہندوستان میں آج تک چلا آرہا ہے، یہودیوں کے مذہبی سنہ تکوین کا پہلا مہینہ "نیسان" بھی اسی نقطہ سے شروع ہوتا تھا، اور گمان غالب یہ ہے، کہ قدیم عربوں میں بھی ایک سنہ کا آغاز اعتدالِ ربیعی سے کیا جاتا تھا۔ جبکہ سورج برجِ حمل میں داخل ہوتا، کیوں کہ عربوں کا بھی یہی خیال تھا، کہ آفرینشِ عالم اعتدالِ ربیعی میں ہوئی تھی۔ ابنِ قتیبہ کا بیان ہے:

"اور کہتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو اس وقت پیدا کیا جبکہ سورج برجِ حمل میں تھا، اور زمانہ اعتدال تھا، اور دن اور رات مساوی تھے، تو فصلوں کی ابتدا صیف سے ہوئی اور اسی کو لوگ فصلِ بہار کہتے ہیں، اور جب کبھی سورج برجِ حمل میں ہوتا ہے، تو اس سے دنیا کے لئے ایک سال گذر جاتا ہے۔" [۲]

---

[۱] بخاری بتجرید کتاب بدء الخلق۔ [۲] ابن قتیبہ کتاب الانواء/۱۹۔

سنہ ۱۱ میں قمری محرم گھوم پھر کر اسی نقطہ اعتدال ربیعی پر آ گیا تھا، اس لئے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد "ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموٰت والارض" اسی سنہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، اس سے یہ مراد لینا کہ آنحضرتؐ کے نزدیک واقعی آسمان اور زمین کی تخلیق اسی زمانے میں ہوئی تھی، شدید ترین غلطی ہے، اور اس سے بڑی غلطی یہ تصور ہے، کہ اس زمانے میں شمسی اور قمری تقویم ایک ہو گئی تھی۔

جیشِ اسامہ اور رحلتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ربیع الاول سنہ ۱۱ مدنی

دس سال کی بے اندازہ جسمانی اور ذہنی کشمکش کے بعد پیغمبرِ اسلامؐ نے نوعِ انسانی کے لئے اگرچہ ایک نئی زمین اور نئے آسمان کی تعمیر کر دی تھی، جس کے سایہ میں پورا عالمِ انسانیت سما سکتا تھا، لیکن اس کی دعوت پر ابھی صرف جزیرہ نمائے عرب نے لبیک کہا تھا، اس کی وجہ یہ نہ تھی، کہ یہ دعوت دنیا کے کانوں تک پہنچی نہ تھی، لیکن ہر کام کے لئے کچھ وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ سچ ہے کہ اس دس سال میں اسلامی تحریک نے جو مقبولیت حاصل کی تھی، وہ صرف جزیرہ نما تک محدود تھی، مگر یہ قبولِ عام بھی ایسا نہ تھا، جو دوسروں کو متاثر نہ کر سکے، صحرا کے ہر ذرہ میں ایک نئی چمک، نئی دمک اور نئی لگن اور تڑپ پیدا ہو گئی تھی، جو سب کو نظر آ رہی تھی۔

فتح خیبر کے بعد اسلامی ریاست کی سرحدیں دنیا کی سب سے عظیم طاقت یعنی بازنطینی شہنشاہیت سے جا ملی تھیں، جس نے ابھی حال ہی میں تاجِ کیانی کو پارہ پارہ کر کے دنیا کو دوبارہ اپنی عظمت کا یقین دلایا تھا، اس سلطنت کے کرتا، دھرتا ریگستانی سمندر کے جدید تموّج کو بنظر غائر دیکھ رہے تھے، چنانچہ سنہ ۶ کے اواخر میں خود قیصر اور قیصر کی پروردہ مصر و شام کی ریاستیں اسلامی سفارتوں کو باریاب کر کے اس کے وجود کو تسلیم کر چکی تھیں۔

معلوم ہوتا ہے، کہ اسلام کا اثر بڑی سرعت سے شمال کی طرف بڑھ رہا تھا، کیونکہ مستبد طبقے کی عقلیں صرف اس وقت معطل ہوتی ہیں، جب کوئی عظیم خطرہ سر پر منڈلانے لگتا ہے، سنہ ۸ کی ابتدا میں حارث بن عمیر کو قتل کر کے جو اسلامی سفارت پر بلقا گئے ہوئے تھے، اور سنہ ۹ میں فروہ بن عمر گورنر معان کو سولی دے کر جنھوں نے اعلانِ اسلام کر دیا تھا، رومی کارپردازانِ حکومت نے کسی اچھے تدبر کا ثبوت نہیں دیا تھا، اور ان شہیدوں کے

خون سے خود انھوں نے وہ شاہ راہ تعمیر کردی تھی، جس پر اسلامی فوجیں بہ آسانی گامزن ہو سکتی تھیں، بنا بریں ۸ھ میں غزوۂ موتہ اور ۹ھ میں غزوۂ تبوک دونوں مہموں کو رومیوں کی اسی بے عقلی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۱ھ کے موسمِ بہار کا بڑا حصہ اگرچہ انصرامِ حج (حجۃ الوداع) میں صرف ہو چکا تھا، مگر مسلمان فوجیں تیار کھڑی تھیں کہ جہادِ روم پر جانے کا کس وقت حکم ملتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سے دو ہی مہینے بعد اس کی تیاری کا بگل بج گیا،

ابن سعد کا بیان ہے کہ صفر ۱۱ھ کے آخری ہفتے میں دوشنبے کے دن آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا، کہ وہ جہادِ روم پر جانے کی تیاری کریں۔

"کہتے ہیں کہ جب دوشنبے کا دن آیا، اور صفر کی چار راتیں باقی تھیں تو آنحضرتؐ نے جہادِ روم کی تیاری کا حکم دیا"[1]

معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے راوی اول کے ذہن میں دوشنبے کی ۲۷ تاریخ تھی، لیکن وسٹنفیلڈ (WUSTENFELDS) کی تقویم کے بموجب دوشنبہ ۲۸ کو پڑتا ہے،

اس سے صرف ایک دن بیچ یعنی چہارشنبہ کے روز یکا یک پیغمبرِ اسلامؐ کی طبیعت ناساز ہونا شروع ہوئی ابن سعد کا بیان ہے کہ:

"جب چہارشنبے کا دن آیا، تو بخار اور دردِ سر کی ابتدا ہوئی"[2]

ابن سعد کے رواۃ کے نزدیک یہ چہارشنبہ ۲۹ صفر کو پڑتا تھا۔

"کہتے ہیں کہ چہارشنبے کے دن صفر کی ۲ راتیں باقی تھیں کہ ام المومنین میمونہؓ کے مکان میں علالت شروع ہوئی"[3]

مگر جیسا کہ کہا جا چکا ہے، دوشنبے کی ۲۸ تاریخ تھی، اس لئے چہارشنبے کی بجائے ۲۹ کے ۳۰ ہونا چاہئے یہ غالباً راوی کی حسابی غلطی ہے، بہر حال تمام رفقاء تیاریوں میں مصروف ہو گئے، اور جُرف میں فوج اکٹھی ہونا شروع ہو گئی[4] - جو غالباً عہدِ رسالت میں فوجی پڑاؤ تھا، اس لئے یہ ممکن نہ تھا، کہ اس پروگرام کو کسی طویل عرصے کے لئے

[1] ابن سعد ۲/۱۳۶ - [2] ایضاً - [3] ابن سعد ۳/۳ - [4]

ملتوی کر کے فوج کو چھٹی دیدی جائے، چنانچہ آنحضرت صلعم نے دوسرے ہی دن یعنی پنجشنبے کے روز خود اپنے دستِ مبارک سے ایک پرچم تیار کیا، اور اُسامہ بن زید کے سپرد کر کے قیادت ان کے ہاتھ میں دیدی، طبقات میں ہے:

"بعد ازاں جب پنجشنبے کی صبح ہوئی، تو خود آنحضرت صلعم نے اپنے دستِ مبارک سے اسامہ کے لئے جھنڈا باندھا"۔[1]

وسٹنفیلڈ کی جدول کے بموجب یہ پنجشنبہ ۲ر ربیع الاوّل کو پڑتا ہے، لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جائے، کہ ربیع الاول کا چاند بجائے ۲۹ر[2] کے ۳۰ر کو ہوا تھا، یا اہلِ مدینہ اس کو دیکھ نہ سکے تھے، تو پنجشنبے کی پہلی تاریخ ہوگی، جو روایت کے عین مطابق ہے۔

دوسرے پنجشنبے یعنی ۸ر ربیع الاوّل ۱۱ھ (مطابق ۴ر جون ۶۳۲ء) کو آپ کی طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی، تو آپ نے ایک تحریر لکھنا چاہی[3]، لیکن بیماری کی شدت تھی، اور یہ کام نہ ہو سکا، اس عرصے میں طبیعت کبھی بگڑتی کبھی سنبھلتی۔

تمام اہلِ سیرت متفق ہیں، کہ اسامہ کی نامزدگی پر لوگوں میں ویسی ہی سرگوشیاں شروع ہو گئی تھیں، جیسی ان کے باپ کی سرداری پر، اور کہنے والوں نے پھر یہی کہنا شروع کر دیا تھا، کہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں ایک نوعمر شخص کو اتنی اہم فوج کی قیادت مناسب نہیں، تو آپ اسی بیماری کی حالت میں مسجد تشریف لائے، اور خطبہ دیا[4]۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

"لوگو! اُسامہ کے لشکر کو بڑھاؤ، اور اس میں جا کر ملو، اگر تم اس کے امیر ہونے پر اعتراض کرتے ہو، تو اس سے پہلے تم نے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا، اور بے شک اُسامہ ہر طرح سرداری کے لائق ہے، اور اس کا باپ بھی لائق تھا"[5]

یہ واقعہ ۱۰ر ربیع الاوّل (مطابق ۶ر جون ۶۳۲ء) کا ہے، جبکہ مرض اپنی پوری شدت پر تھا، آنحضرت صلعم کی خواہش تھی کہ یہ لشکر جلد از جلد روانہ ہو، چنانچہ اسی تاریخ کو اکثر صحابہ آنحضرت صلعم سے رخصت ہو کر "جرف" کو

[1] ابن سعد ۲/ ۱۳۶۔ [2] منجمین صرف حسابی سہولت کے لئے محرم کو اصولاً ۳۰ر دن کا اور صفر کو ۲۹ر کا شمار کرتے ہیں۔
[3] ابن سعد ۳/ ۳۶۔ [4] [5] ابن سعد ۳/ ۴۱۔

روانہ ہوگئے، جہاں لشکر پڑا تھا، ابن سعد کا بیان ہے:

"اور یہ واقعہ ہفتے کے دن ۱۰ ر ربیع الاول کا ہے کہ جو مسلمان اُسامہ کے ساتھ جانیوالے تھے، آنحضرتؐ سے رخصت ہوئے"۔ [1]

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہفتے کے دن یعنی ۶ ر جون ۶۳۲ء کو ربیع الاول کی ۱۰ تاریخ تھی، اور ربیع الاول کا چاند بجائے ۲۹ ر کے ۳۰ ر کا تسلیم کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اسی روز مرض میں اور ترقی ہوگئی، اور آنحضرتؐ بیہوش ہوگئے، یکشنبے کے دن مرض پوری شدت پر تھا، دوشنبے کے دن صبح کو طبیعت قدرے درست ہوگئی۔ آپؐ نے حجرہ کا پردہ اُٹھا کر دیکھا، تو لوگ نمازِ فجر میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر آپؐ فرطِ مسرت سے ہنس پڑے۔ لوگوں نے سمجھا، آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں، قریب تھا کہ صفیں درہم برہم ہوجائیں، آپؐ نے اشارے سے روکا۔ یہ جمالِ اقدس کی آخری زیارت تھی، جو فدایانِ نبوت نے کی۔ جوں جوں دن چڑھتا گیا، حالت بگڑتی گئی، بار بار ہوش آتا، اور بار بار غشی طاری ہوجاتی، آخرکار رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کا وقت آگیا، لبِ مبارک ہلے، تو لوگوں نے یہ الفاظ سُنے:۔ " نماز اور غلام "۔ [2]

یہ واقعہ [3] ۱۲ ر ربیع الاول ۱۱ھ کو دوشنبے کے دن دوپہر کے بعد کا ہے (یعنی ۸ ر جون ۶۳۲ء) کا، کہ اُسامہ کا پرچم جو جرف پہنچ چکا تھا، واپس آیا، اور آستانۂ نبوت پر نصب کردیا گیا۔

"صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما"

---

[1] ابن سعد ۲/۱۳۶ - [2] ابن سعد ۱/ - [3] توفی.... حین زاغت الشمس یوم الاثنین لاثنی عشرۃ لیلۃ خلت من شھر ربیع الاول - ابن سعد ۱/۱۳۷-

پیغمبرِ اسلامؐ کی تاریخِ وفات میں اگرچہ اختلاف ہے، اور بعض مؤرخ یکم ربیع الاول اور بعض ۲ کو ترجیح دیتے ہیں، حتیٰ کہ واقدی کی کتاب المغازی میں بھی ۲ ر ربیع الاول مذکور ہے، لیکن واقدی کی مشہور تر روایت جس کو اکثر علماء نے قبول کیا ہے۔ ۱۲ ر ربیع الاول ہے۔ اس تاریخ پر علماء کی ایک جماعتِ کثیر کا اتفاق ہے۔ حتیٰ کہ شیعہ روایت بھی اسی کی تائید میں ملتی ہے۔ کلینی میں ہے " ثم قبض لاثنی عشرۃ لیلۃ مضت من ربیع الاول یوم الاثنین (ابواب التاریخ) اس سے قطعِ نظر دوشنبہ کا دن جو متفق علیہ ہے ۱۲ ر ربیع الاول کے علاوہ کسی اور تاریخ کو نہیں پڑتا۔ نہ یکم کو نہ ۲ ر، مارگولیتھ نے دوشنبے کی ۷ ر جون قرار دی ہے جو غلط ہے، دوشنبہ ۸ ر جون ۶۳۲ء کو پڑتا ہے۔

MARGOLIOUTU RISE 471,

رحلتِ رسول اللہؐ کی توقیتی جدول

واقعات	قمری	جولین
● جہادِ روم کی تیاری کا حکم [1]	۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ، دوشنبہ	۲۵ مئی سنہ ۶۳۲ء
	۲۹ " " سہ شنبہ	۲۶ مئی "
● علالت کی ابتداء [2] ←	۳۰ " " چہار شنبہ	۲۷ مئی "
● پرچم سازی ←	یکم ربیع الاول " پنجشنبہ	۲۸ مئی " [3]
	۲ " " جمعہ	۲۹ " "
	۳ " " ہفتہ	۳۰ " "
	۴ " " یکشنبہ	۳۱ مئی "
	۵ " " دوشنبہ	یکم جون "
	۶ " " سہ شنبہ	۲ " "
	۷ " " چہار شنبہ	۳ " "
● واقعۂ قرطاس ←	۸ " " پنجشنبہ	۴ " "
	۹ " " جمعہ	۵ " "
● آخری خطبہ ←	۱۰ " " ہفتہ	۶ " "
● مرض کی انتہائی شدت ←	۱۱ " " یکشنبہ	۷ جون سنہ ۶۳۲ء
● رحلت ←	۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ دوشنبہ	۸ جون [4] سنہ ۶۳۲ء

[1] روایت میں ۲۷ تاریخ ہے جو راوی کی حسابی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ [2] روایت میں ۲۹ تاریخ ہے جو راوی کی حسابی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

[3] وسٹنفیلڈ کے حساب سے یہ پنجشنبہ (۲۹ کا چاند مان کر) ۲ ربیع الاول کو پڑتا ہے، لیکن اگر ۳۰ کا چاند مان لیا جائے یا یہ فرض کرلیا جائے کہ اہلِ مدینہ ۲۹ کا چاند دیکھ نہ سکے تھے تو پنجشنبے کی ٹھیک پہلی تاریخ ہوگی۔ جو روایات کے عین مطابق ہے۔

[4] بعض یورپی مصنفین مثلاً مارگولیتھ، ایچ، جی ویلز (H.G. WELLS) وغیرہ نے تاریخِ رحلت ۷ جون قرار دی ہے۔ جو بالکل غلط ہے کیوں کہ دوشنبہ ۷ کو نہیں بلکہ ۸ جون کو پڑتا ہے۔

اعتذار و استدراک

ان مقالات کی اشاعت کچھ ایسے حالات میں ہوئی ہے کہ (دفتر برہان بھیجنے سے پہلے) نہ تو میں ان پر نظر ثانی کر سکا، اور نہ ان کا مقابلہ اصل ماخذوں سے کیا جا سکا، پھر ان کی کتابت و طباعت میں جو غلطیاں ہوئیں وہ مزید براں ہیں۔

اب جبکہ ان کا ایک ایک حرف پڑھا جا رہا ہے، اور تصحیح کا کام جاری ہے، مسوّدات کے ساتھ اصل کتابیں بھی سامنے ہیں، تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ متعدد مقامات تشنہ رہ گئے ہیں، بیسیوں حوالے جنھیں لکھنا ضروری تھا، یا تو ساقط ہو گئے یا نامکمل نظر آتے ہیں، انگریزی الفاظ اور عبارتیں اکثر و بیشتر غلط چھپی ہیں، جگہ جگہ سقوط الفاظ کی غلطیاں بھی موجود ہیں، جن سے عبارتیں بے جوڑ معلوم ہوتی ہیں، کئی جگہ حوالے تک غلط، یا مُقدم مؤخر ہو گئے ہیں، یہ تمام باتیں اگر ایک طرف لیتھو کی کتابت اور پروفوں کی تصحیح سے بے پروائی کا نتیجہ ہیں تو دوسری طرف ان کی ذمّہ داری میرے محدود وسائل پر بھی عائد ہوتی ہے کہ میں انہیں ٹائپ کرا کے نہیں بھیج سکا۔

خیال تھا کہ اس اشاعت میں ایک "مکمل غلط نامہ" دے دیا جائے لیکن تجربے سے ثابت ہوا کہ یہ کام مقالہ لکھنے سے زیادہ دشوار ہے، اس لئے قارئین سے التجا ہے کہ اصل کتاب کی اشاعت کا انتظار فرمائیں، پھر بھی چار پانچ مقامات کی تصحیح ضروری ہے۔

(۱) مقالۂ اوّل یعنی برہان مئی ۶۲ء کے صفحے ۲۸۱ کی سطر ۱۵ میں ڈاکٹر حمید اللہ کے سلسلے میں پوری دو سطریں چھپنے سے رہ گئی ہیں، اور موجودہ عبارت بے جوڑ ہو گئی ہے، ان سطروں کے اضافے سے زیادہ آسان یہ ہے کہ "(واقعات کو پرانے مزعومات) سے لے کر پوری سولہویں (۱۶) سطر تک قلم زد کر دیا جائے۔

(۲) جس وقت یہ مقالہ لکھا جا رہا تھا "پرسیوال" کا نظریہ پیشِ نظر نہ تھا، لیکن اسی دوران میں جب یہ نظریہ مل گیا تو دوسرے مقالوں میں اس کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں، بدیں وجہ اس مقالے کی ایک پوری عبارت بے معنی ہو گئی ہے، قارئین سے استدعا ہے کہ صفحہ ۲۸۸ کی گیارھویں سطر کے آخری حصے ("مگر افسوس ہے")

سے پندرھویں سطر کے جملے (جو شاید پر سیوال ہی سے ماخوذ ہے") تک پوری عبارت قلمزد فرمادیں اور اس کی جگہ صرف ایک جملہ بڑھا دیں یعنی (جس کا خلاصہ یہ ہے")

(۳) اسی مئی کی اشاعت کے صفحے ۲۹۲ کی تیرھویں[۱۳] سطر کے بعد جس سے پہلے وہاں زن کا خیال پیش کیا گیا ہے باقی پورا پیراگراف قابلِ حذف ہے، یعنی ("یہ خیال اگرچہ کسی قدر صحیح معلوم ہوتا ہے") سے لے کر ("جون میں جا پڑے گا") تک چاروں سطریں قلمزد فرمادیجئے اس میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں غلط ہیں،

(۴) اسی مقالے کے صفحہ ۲۹۴ پر ڈاکٹر حمید اللہ کی دو تقویمی جدول پیش کی گئی ہے۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کے نزدیک مکی کالم کونسا تھا اور مدنی کونسا۔ قاری ہر سنہ میں پہلے کالم پر "مدنی" تحریر فرمالیں اور دوسرے پر "مکی"

(۵) اکتوبر ۶۴ء کی اشاعت کے صفحہ ۲۰۴ کی پہلی سطر میں لکھا گیا ہے کہ (یہ واقعہ غالباً جمعہ ۲ ربیع الاول ۱ھ کا ہے) یہ صرف میرا قیاس تھا، مگر اب ایک روایت مل گئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ مذکور بجائے جمعہ کے جمعرات (یکم ربیع الاول) کا تھا۔ اس لیے قارئین یہاں (پنجشنبہ یکم ربیع الاول) بنالیں اور لفظ غالباً کو کاٹنے کے بعد اس کے نیچے کا پورا فٹ نوٹ [۱] بھی قلم زد فرمادیں، یعنی حاشیہ [۱] کی پوری عبارت۔

اسی قسم کی ممکن ہے کہ اور غلطیاں بھی ہوں جس کے متعلق راقم الحروف معذرت خواہ ہے۔

ان مقالات کی یہ آخری قسط ہے اور قوی امید ہے کہ اربابِ علم ان اقساط کا مطالعہ فرمانے کے بعد صحیح مشورں سے سرفراز فرمائیں گے ________ علوی

تذکرہ علامہ شیخ محمد طاہر محدث پٹنی

مؤلفہ: شیخ عبدالوہاب صاحب

مترجمہ: پروفیسر سید ابوظفر صاحب ندوی مرحوم

علامہ شہیر کے سوانح حیات پر محققانہ رسالہ "مناقب" کا ترجمہ، اس عہد کے خاص کر مہدویوں کے حالات کی تفصیل اور شیخ کے دوسرے حالات۔ صفحات ۱۲۸

قیمت: مجلد ۱/۵۰

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶